ڈاکٹر محمد اقبال بہ نام سید ہاشمی فرید آبادی

محمد ارشد ﷺ

ABSTRACT

Political issues were dominant among the debates of Muslim intellectual circles of Indian Subcontinent. The central theme of these debates were the adoption of a comprehensive and balanced strategy that effectively safe ground Muslim identity as well as enable the Muslim community to positively engage with colonial power on the one hand and with the Hindu majority of the land on the other. The article reads and analysis an unexplored letter of Muhammad Iqbal (1877-1938) as eminent Muslim thinker, addressed to Syed Hashimi Faridabadi (1890-1964), a literary figure of the twentieth century. The contents of the letter are very rich and provide Iqbal's reflections on some very significant matters pertaining to the political role of Muslim community in India during 1928-1932, especially his vision of a future Muslim state comprising the north-western areas of the United India.

ﷺ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونی ورسٹی، علامہ اقبال کیمپس، لاہور (arshad571@yahoo.com)

معروف مصنف، مترجم اور ادیب سید ہاشمی فرید آبادی (۱۸۹۰ء-۱۹۶۴ء)[1] کا شمار ان اہل قلم میں

۱- سید ہاشمی فرید آبادی ۱۳۰۷ھ - ۱۸۹۰ء کو فرید آباد (نواح دہلی) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی (اپنے والد میر احمد شفیع سے)۔ جس کے بعد انھیں فرید آباد کے اسکول میں داخل کرادیا گیا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد عازم دہلی ہوئے، جہاں انھیں اینگلو عربیک سکول میں داخل کرایا گیا۔ جماعت نہم میں تھے کہ ان کے والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ میٹرک (۱۹۰۷ء) کے بعد تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ ۱۶/ سال کی عمر میں لاہور آکر **پیسہ اخبار** میں بہ طور نائب مدیر ملازمت اختیار کرلی (۱۹۱۰ء-۱۹۰۷ء)۔ مختلف اخبارات و رسائل کے لیے مضمون نگاری کا آغاز ۱۹۰۷ء-۱۹۱۰ء۔ اس کے بعد مزید تعلیم کے لیے علی گڑھ چلے گئے۔ ۱۹۱۲ء میں ایف اے کیا۔ علی گڑھ میں حسرت موہانی کی حریت پسندانہ شاعری سے متأثر ہوئے اور اسی راہ پر چل پڑے۔ ”دعوت بلقان“ کے عنوان سے ان کی ایک نظم کو نوجوانوں میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ جس کی پاداش میں کالج سے ان کا اخراج عمل میں آیا (۱۹۱۳ء) جب کہ وہ سال چہارم کے طالب علم تھے اور چند دنوں کے بعد بی اے کے امتحانات ہونے کو تھے۔ چناں چہ انھیں اپنی تعلیمی زندگی کو خیر باد کہنا پڑا (جون ۱۹۱۳ء)۔ ۱۹۱۳ء میں کالج سے اخراج کے بعد ***ہمدرد*** کے حلقۂ ادارت سے منسلک ہوئے۔ ۱۹۱۷ء میں ***ہمدرد*** سے وابستگی ختم ہونے پر حیدرآباد دکن کا رخ کیا۔ حیدرآباد میں ۱۹۱۶ء میں قائم ہونے والے دارالترجمہ میں ان کا تقرر ہوا۔ اور ۱۹۳۵ء تک کا عرصہ وہیں گزارا۔ وہ دارالترجمہ میں کتبِ تاریخ کے مترجم کے طور پر کام کرتے رہے۔ جہاں سے وہ بالآخر ترقی کرتے ہوئے ڈپٹی ہوم سیکرٹری کے عہدے تک پہنچے۔ دارالترجمہ سے وابستگی کے زمانے میں انھوں نے انگریزی اور عربی کتب کے تراجم کے علاوہ متعدد طبع زاد کتب بھی تصنیف کیں۔ ان کی تصانیف و تالیفات عثمانیہ یونی ورسٹی حیدرآباد کے میٹرک اور انٹر میڈیٹ کے نصابات میں شامل رہیں۔ اس دوران میں وہ حیدر آباد دکن سے جاری مارماڈیوک پکتھال کی ادارت میں جاری مجلے **اسلامک کلچر** Islamic Culture کے حلقۂ ادارت میں بھی شامل رہے۔ اس کے لیے مضامین اور اداریے وغیرہ لکھتے رہے۔ ۱۹۳۵ء میں ریاست حیدرآباد دکن کی ملازمت سے سبک دوشی اختیار کی اور بابائے اردو مولانا عبدالحق کے اصرار پر انجمن ترقیِ اردو سے وابستگی اختیار کی۔ وہ انجمن میں شریک معتمد (Joint Secretary) کے طور پر کام کرتے رہے۔ انجمن کے رسالے **اردو** کی تدوین و ترتیب میں مولوی عبدالحق کے شریک کار رہے، رسالے کے لیے مضمون نگاری بھی کرتے رہے۔ ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے وقت پاکستان چلے آئے۔ کراچی اور پھر جلد لاہور کی سکونت اختیار کی۔ ۱۹۵۴ء تک بہ دستور انجمن سے منسلک رہے۔ ۱۹۵۴ء میں مولوی عبدالحق سے اختلافات کے سبب انجمن سے علاحدگی اختیار کی اور لاہور چلے آئے۔ لاہور میں وہ متعدد مؤقر علمی اداروں سے منسلک رہے۔ وہ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ سے وابستہ ہوئے اور ساتھ ہی **اردو دائرہ معارف اسلامیہ** کی مجلس ادارت کے رکن (اعزازی) کے طور پر بھی کام کرتے رہے۔ **اردو دائرہ معارف اسلامیہ** کے لیے تقریباً ۱۱۰۰ مقالات کی تدوین کے علاوہ ۱۱ طبع زاد مقالات تحریر کیے۔ **اردو دائرہ معارف اسلامیہ** سے وابستگی کا سلسلہ ان کی زندگی کے آخری ایام تک جاری رہا۔ سید ہاشمی نے ماڈل ٹاؤن میں، جہاں وہ مقیم تھے، ایک مجلس علمیہ ”حلقہ مذاکرہ اسلامیہ“ کے نام سے قائم کی، جس میں اہل علم و فکر علمی و ادبی موضوعات پر مقالات پڑھتے اور تبادلۂ خیال کرتے۔ ستمبر ۱۹۶۱ء میں انھوں نے **تہذیب الاخلاق** کے نام سے (جاری)

ہوتا ہے جن کے علامہ محمد اقبال سے علمی روابط استوار تھے۔ دونوں کے مابین مراسلت بھی رہی۔ علامہ اقبال نے سید ہاشمی کے نام اپنے خطوط میں ادبی و ملی مسائل پر اظہار خیال کیا۔[۲] سید ہاشمی کے نام علامہ اقبال کا ایک غیر مطبوعہ خط **فکر و نظر** کے قارئین کی نذر کیا جاتا ہے۔ علامہ اقبال کا یہ خط(محررہ ۵/مئی ۱۹۳۲ء) اپنے مندرجات کے اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ سطورِ ذیل میں سید ہاشمی کے نام علامہ اقبال کے خط کے پس منظر نیز اس کے مندرجات پر ایک نظر ڈالی گئی ہے۔ خط کا متن (نقلِ لفظی) درج کیا گیا ہے۔ مزید برآں علامہ کے اس خط کا عکس بھی قارئین کی نذر کیا گیا ہے۔ ۱۹۳۰ء میں سید ہاشمی سیر وسیاحت اور تحقیق و تصنیف کی غرض سے سفر یورپ پر روانہ

(گذشتہ سے پیوستہ) لاہور سے ایک ماہانہ **رسالہ** جاری کیا۔ سید ہاشمی بڑا عمدہ شعری ذوق رکھتے تھے اور شعر بھی کہتے تھے۔ ان کی نظمیں مختلف رسائل میں طبع ہوئیں البتہ ان کا یہ منتشر شعری سرمایہ یک جا شائع نہ ہو سکا۔ وہ ۱۹/جولائی ۱۹۶۴ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ سید ہاشمی نے اسلامی و مغربی تہذیب و تاریخ سے متعلق دو درجن انگریزی کتب کے اردو ترجمے کے علاوہ متعدد گراں قدر طبع زاد کتب تصنیف کیں۔ مزید برآں تاریخ، ادب ولسانیات اور دینی مباحث پر ان کے درجنوں مقالات رسائل و جرائد میں شائع ہوئے۔ تقریباً ایک درجن مقالات **اردو دائرۂ معارف اسلامیہ** میں شائع ہوئے۔ سید ہاشمی کے احوال و آثار کے بارے میں ملاحظہ ہو: تابانہ تنزیلہ، **سید ہاشمی فرید آبادی: احوال و آثار**، مقالہ برائے ایم اے اردو، لاہور، شعبۂ اردو، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، ۱۹۸۷ء

۲- علامہ اقبال نے سید ہاشمی کے نام ایک خط محررہ ۲۰/نومبر ۱۹۳۵ء میں لکھا:

ڈیئر سید ہاشمی

چند اشعار حاضرِ خدمت ہیں: مصر کے **الرسالہ** سے ایک کٹنگ مرسل ہے، شاید آپ کے مفید مطلب ہو۔

محمد اقبال

۲۰/نومبر ۱۹۳۵ء

شاعر

مشرق کے نیستاں میں ہے محتاجِ نفس نَے　　شاعر! ترے سینے میں نفس ہے کہ نہیں ہے
تاثیر غلامی سے خودی جس کی ہوئی نرم　　اچھی نہیں اس قوم کے حق میں عجمی لَے
شیشے کی صراحی ہو کہ مٹی کا سبو ہو　　شمشیر کی مانند ہو تیزی میں تری مے

سید ہاشمی کے نام علامہ اقبال کے خط کے متن و عکس کے لیے دیکھیے: سید مظفر حسین برنی (مرتب)، **کلیاتِ مکاتیبِ اقبال**، دہلی، اردو اکادمی دہلی، ۱۹۹۸ء، ج ۴، ص ۲۳۰-۲۳۱۔ علامہ اقبال کے مذکورہ اشعار ان کی نظم ''شاعر'' کا حصہ ہیں جو ان کے شعری مجموعے **ضرب کلیم** میں شامل ہیں۔ دیکھیے: **ضرب کلیم**، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، س۔ن، ص ۱۲۷؛ **کلیاتِ اقبال** (اردو)، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، س۔ن، ص ۵۸۹

ہوئے تو علامہ نے معرفی نامہ کے طور اپنا وزیٹنگ کارڈ جس پر ۷/ اپریل ۱۹۳۰ء کی تاریخ مرقوم ہے، ان کے ہم راہ کیا۔ اس کارڈ کا عکس علامہ اقبال کے زیر نظر مکتوب کے عکس کے ساتھ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

خط کا پس منظر اور مباحث و مندرجات پر ایک نظر

سید ہاشمی فرید آبادی کے نام علامہ اقبال کے اس خط کا زمانۂ تحریر وہ ہے کہ جب علامہ خار زارِ سیاست میں پوری تندہی سے سرگرم عمل تھے اور ملی سیاست میں انھیں ممتاز حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ اسلامیانِ ہند تحریک خلافت کی ناکامی کے بعد اپنے ملی بقا کے لیے سیاسی میدان میں نئی صف بندی کر کے بر سرِ جدوجہد تھے۔ تحریک خلافت کے سرد پڑ جانے اور مسلم لیگ کے افتراق و انتشار کا شکار ہونے پر دسمبر ۱۹۲۸ء میں آل مسلم پارٹیز کانفرنس (اجلاس دہلی، ۲۹/ دسمبر ۱۹۲۸ء تا یکم جنوری ۱۹۲۹ء، زیرِ صدارت آغا خان) کے زیر اہتمام آل انڈیا مسلم کانفرنس کا قیام عمل میں آ چکا تھا۔ جلد ہی آل انڈیا مسلم کانفرنس نے اسلامیانِ ہند کی مسلمہ نمائندہ سیاسی تنظیم کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ اس زمانے میں (۱۹۳۰ء-۱۹۳۲ء) اندرون ملک مسلم کش فسادات نے تباہ کن صورتِ حال پیدا کر دی تھی، دوسری طرف لندن میں گول میز کانفرنسوں کا ڈول ڈالا جا چکا تھا۔ مزید بر آں کشمیر میں تحریکِ آزادی اہم موڑ میں داخل ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کی ملی زندگی پر گہرے طور سے اثر انداز ہونے والے جملہ امور و حوادث ان کے اہلِ ثروت سے ایثار و قربانی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ہندوؤں کے سرمایہ دار اور ثروت مند طبقات اپنے قومی کاموں کے لیے دل کھول کر سرمایہ فراہم کر رہے تھے جس نے ان کے سیاسی و فکری قائدین کو فکرِ معاش سے آزاد کر کے ملی کاموں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس کے بر عکس مسلمانوں کا ثروت مند طبقہ ملی کاموں اور ان کے تقاضوں سے اِغماض برت رہا تھا۔ وہ مسلمانوں کے اجتماعی کاموں سے لاتعلق ہو کر ذاتی عیش و عشرت میں مستغرق تھا۔ علامہ اقبال کو اس بات کا شدید قلق تھا کہ مسلمان امرا اور اہل ثروت ملی کاموں میں اپنی دولت کو خرچ کرنے میں حد درجہ بخل سے کام لیتے ہیں، جس سے مسلمانوں کے ملی کام متأثر ہوتے ہیں، خصوصاً ان کے فکری و سیاسی قائدین فکرِ معاش سے آزاد ہو کر خود کو کامل یکسوئی سے ملی کاموں کے لیے وقف نہیں کر پاتے۔ اقبال نے سید ہاشمی کے نام اپنے اس خط میں مسلمان ثروت مند طبقے کی اپنے قومی و ملی مصالح سے لاتعلقی اور خود غرضی کے بارے میں اپنے گہرے تاسف کا اظہار کیا ہے۔

زیرِ نظر خط سے دولتِ آصفیہ حیدر آباد دکن کی سیاسی حالت کے بارے میں علامہ اقبال کے تأثرات و خدشات کا اندازہ ہوتا ہے۔ سب سے اہم یہ کہ جنوبی ایشیا میں اسلام کے تحفظ و استحکام میں شمالی ہندوستان کی اہمیت

سے متعلق علامہ کا نقطۂ نظر بھی بہ خوبی عیاں ہو جاتا ہے۔[۳] مزید برآں اس خط سے اقبال کے شعری مجموعے **جاوید نامہ** کی مستشرقین کے ہاں پذیرائی اور مغربی زبانوں میں اس کے ترجمے میں ان کی دلچسپی کا بھی پتہ چلتا ہے۔[۴]

اقبال نے **جاوید نامہ**، ممتاز اطالوی شاعر دانتے (Dante Alighieri، ۱۲۶۵ء-۱۳۲۱ء) کی Divine Comedy (طربیۂ ایزدی) کے جواب میں تصنیف کیا۔ وہ اپنے اس شعری شہ پارے کو دانتے کی ہفوات کا مسلم نقطۂ نظر سے ایک موثر علمی و فکری جواب خیال کرتے تھے۔ چناں چہ انھوں نے خود اسے دانتے کی **ڈیوائن کامیڈی** کے جواب میں "اسلامی کامیڈی"[۵] اور اپنی علمی و فکری "زندگی کا ماحصل" قرار دیا۔[۶] **جاوید نامہ** "ان کے شاعرانہ کمالات کا بہترین نمونہ ہے اور بلاشبہ ان کی زندگی کا حاصل ہے، جس میں انھوں نے شاعری میں فلسفہ کو اس طرح سمو دیا ہے کہ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کر سکتے"۔[۷]

دانتے کی ڈیوائن کامیڈی (۱۳۰۰ء) کو ازمنۂ وسطیٰ کے اطالوی ادب کا عظیم شاہ کار تصور کیا جاتا ہے، جس نے یورپی ادب پر عمیق اور وسیع اثرات مرتب کیے۔ دانتے نے اپنے اس ادبی شاہ کار میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے بارے مسیحی صلیبیوں کے احساسات و جذبات کی ترجمانی کی تھی۔ چناں چہ اس کے زیرِ اثر مغرب میں نشاۃِ ثانیہ کے دور میں جو ادب تخلیق ہوا اس میں اسلام دشمنی عمیق طور سے سرایت کر گئی۔ دانتے نے اس نظم کی تدوین میں آں حضرت ﷺ کی احادیثِ اسرا و معراج، نیز ابن عربی کی **فتوحات مکیہ** اور ابو العلا معرّی کی **رسالہ**

۳- برعظیم میں اسلام کے مستقبل کے بارے میں شمالی ہند کے حوالے سے اس خط میں علامہ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، اس کا تفصیلی تجزیہ وہ اپنے خطبہ الہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء) میں پیش کر چکے تھے۔ خطبۂ الہ آباد کے متن کے لیے دیکھیے:
Syed Abdul Vahid (ed.), *Thoughts and Reflections of Iqbal* (Lahore: Sh. Muhammad Ashraf, 1992), 161-194

۴- **جاوید نامہ** سے متعلق مستشرقین کی دل چسپی کا تذکرہ اقبال کے بعض دوسرے خطوط میں بھی ملتا ہے۔ سید ہاشمی فرید آبادی کے نام اس خط کے اگلے ہی روز انھوں نے سید نذیر نیازی کے نام ایک خط (محررہ ۶/ مئی ۱۹۳۲ء) میں لکھا: "نکلسن اور سر ڈینی سن راس نے بہت اچھے خطوط **جاوید نامہ** کے متعلق لکھے ہیں۔ پروفیسر ہیل اس کا جرمنی ترجمہ کریں گے"۔ دیکھیے: سید نذیر نیازی، **مکتوبات اقبال**، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء، ص ۸۱

۵- سید نذیر نیازی، **مکتوباتِ اقبال**، ص ۳۲؛ عبد اللہ چغتائی، **اقبال کی صحبت میں**، لاہور، مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۷۷ء، ص ۲۵۷-۲۶۰

۶- دیکھیے: رفیع الدین ہاشمی، **تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ**، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۲ء، ص ۱۵۴-۱۵۵

۷- دیکھیے: یوسف سلیم چشتی، **شرح جاوید نامہ**، لاہور، عشرت پبلشنگ ہاؤس، س۔ن، ص ۱۴

الغفران اور غزالی کی **الدرۃ الفاخرۃ** سے استفادہ کیا(۸) اور عالمِ افلاک کی سیاحت سے متعلق اپنے تخیلات کے بیان میں پیغمبر اسلام محمد ﷺ سے نہایت تعصب و عناد برتا۔ اس کی دریدہ دہنی کا یہ عالم ہے کہ آں حضرت ﷺ کو جہنم میں مبتلائے عذاب دکھایا ہے، اس لیے کہ آپ نے عیسائیت میں پھوٹ ڈالی۔ دانتے پر صلیبی جنگوں کی ناکامی و شکست کا ایسا اثر تھا کہ اس نے ایک طرف پیغمبرِ اسلام کے ساتھ بدسلوکی کا مظاہرہ کیا، تو دوسری طرف فاتحِ قدس صلاح الدین ایوبی کو بھی اس نے جہنم میں منافقین کے ساتھ مبتلائے عذاب دکھایا۔ اسلام دشمنی کے اس مظاہرے کے بعد دانتے نے صلیبی سورماؤں اور شہدا کو جنت میں فرحاں اور شاداں دکھایا، کیوں کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو فنا کرنے کے لیے شہید ہوئے تھے۔(۹)

جیسا کہ سطورِ بالا میں ذکر کیا گیا ہے کہ اقبال نے **جاوید نامہ** در اصل دانتے کی **ڈیوائن کامیڈی (طربیۂ ایزدی)** کے جواب میں تصنیف کیا تھا۔ چناں چہ وہ اس امر کو بڑا اہم خیال کرتے تھے کہ اس شعری مجموعے کا یورپی زبانوں میں ترجمہ کیا جائے۔ اقبال نے اپنی اس خواہش کا اظہار اپنے متعدد خطوط میں کیا ہے۔ انھوں نے ڈاکٹر صوفی غلام محی الدین کے نام ایک خط (محررہ ۳۱ / مارچ ۱۹۳۳ء) میں لکھا:

کرنیل صاحب سے میں اس سے پہلے واقف نہیں ہوں۔ کیا انھوں نے اس سے پہلے کوئی منظوم ترجمہ کیا ہے؟ اگر کیا ہو تو اس کا نمونہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ باقی رہا یہ امر کہ کون سی نظموں کا ترجمہ کیا جائے، سو عرض ہے کہ **بانگ درا** کی بیشتر نظمیں میری طالب علمی کے زمانہ کی ہیں۔ زیادہ پختہ کلام، افسوس کہ فارسی زبان میں ہوا۔ بہتر طریق یہ ہے کہ **بانگِ درا** سے بعض نظمیں انتخاب کر لی جائیں، باقی **زبورِ عجم** اور **پیامِ مشرق** سے انتخاب کی جائیں۔ اس سے زیادہ اہم کام یہ ہے کہ **جاوید نامہ** کا تمام و کمال ترجمہ کیا جائے۔ یہ نظم ایک قسم کی Divine Comedy ہے۔ مترجم کا اس سے یورپ میں شہرت حاصل کر لینا یقینی امر ہے۔ اگر وہ ترجمہ میں کامیاب ہو جائے، اور اگر اس ترجمہ کو کوئی عمدہ مصور Illustrate بھی کر دے تو یورپ اور ایشیا میں مقبول تر ہو گا۔ اس کتاب میں بعض بالکل نئے

۸- دیکھیے: سید حبیب الحق ندوی، "اسلام اور مستشرقین"، مشمولہ سید صباح الدین عبد الرحمٰن (مرتب)، **اسلام اور مستشرقین**، اعظم گڑھ، دار المصنفین، ۲۰۰۳ء، ج ۳، ص ۲۲-۲۴؛ یوسف سلیم چشتی، **شرح جاوید نامہ**، ص ۶۳-۷۸

۹- اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں دانتے کی "ڈیوائن کامیڈی" کے مباحث کے جائزے کے لیے ملاحظہ ہو:

Miguel Asin Palacios, Islam and the Divine Comedy, Islam and the Muslim World, No. 4(Abingdon, UK and New York, US: Routledge, 2012); Jan M. Ziolkowski, "Introduction to Islam and Dante", Dante Studies, with the Annual Report of the Dante Society, No. CXXV (2007), 34-1; Paul Arthur Cantor, "The Uncanonical Dante: The Divine Comedy and Islamic Philosophy", Philosophy and Literature, vol. 20, no. 1(1996), 138-153; Robert Hollander, Dante: A Life in Works (New Haven and London: Yale University Press, 2001), 90-94, 144-148.

خیالات ہیں اور مصور کے لیے بہت عمدہ مسالا ہے۔ **پیامِ مشرق** کا ترجمہ جرمن زبان میں ہو رہا ہے۔ ارلانگن یونیورسٹی کے پروفیسر ہل (کذا، ہیل) کر رہے ہیں۔ (۱۰)

اقبال کی اس خواہش کے احترام میں ان کے متعدد مخلصین نے، جن میں ڈاکٹر صوفی غلام محی الدین، پروفیسر ایم ڈی تاثیر کے علاوہ اس زمانے میں سری نگر میں مقیم مسٹر ٹیوٹ بھی شامل تھے، **جاوید نامہ** کے انگریزی میں ترجمے کی کوشش کی تھی، تاہم بات چند نظموں کے ترجمے سے آگے نہ بڑھ سکی۔(۱۱) ارلانگن یونیورسٹی (جرمنی) کے پروفیسر جوزیف ہیل (Joseph Hell) **جاوید نامہ** کے جرمن ترجمے سے متعلق اپنے خیال کو عملی جامہ نہیں پہنا سکے۔(۱۲)

اقبال نے سید ہاشمی فرید آبادی کے نام زیرِ نظر خط میں ملت اسلامیہ کو درپیش تحدیات سے متعلق اپنے نتائجِ فکر کو پیش کیا ہے۔ اگر بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو اس وقت ملت اسلامیہ کو اپنی سیاسی اور فکری زندگی میں جو مہمات تحدیات درپیش تھے وہ دو ہی تھے: اول برعظیم میں برطانوی نو آبادیاتی نظام کے تحت ہم وطن ہندوؤں کے جارحانہ سیاسی عزائم، شدھی کی تحریک، مسلم اقلیتی صوبوں میں مسلم کش فسادات اور خصوصاً کانگریس کے متحدہ ہندوستان کے تصور جس سے اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں شدید خدشات لاحق ہو گئے تھے؛ دوم اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف مغربی مستشرقین کی معاندانہ مہم جوئی تھی۔ اس باب میں ایک اہم ترین چیز مغرب کے دانش وروں اور اہلِ ادب کا تخلیق کردہ وہ ادبی سرمایہ تھا، جو اسلام سے متعلق ان کے متعصبانہ اور معاندانہ جذبات سے لبریز تھا اور جس نے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ افراد کو فکری ارتداد کی راہ پر ڈال دیا تھا بلکہ خود اہل مغرب کو اسلام کے بارے میں شدید بدظن ہی نہیں بلکہ متنفر بنا دیا تھا۔ اقبال نے سید ہاشمی کے نام اپنے خط میں اول الذکر چیلنج سے عہدہ برآ ہونے بالفاظ دیگر برعظیم میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے تحفظ کے لیے شمالی ہند میں ایک خود مختار مسلم مملکت کے قیام کی ضرورت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مؤخر الذکر

۱۰- دیکھیے: شیخ عطاء اللہ، **اقبال نامہ**، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۵ء، ص ۲۳۱-۲۳۲

۱۱- عطاء اللہ، نفسِ مصدر، ص ۲۳۲-۲۳۳، تاہم اقبال کی وفات کے تقریباً اٹھائیس سال بعد انگریز مستشرق آرتھر جے آربری کے قلم سے اس شعری مجموعے کا مکمل ترجمہ (مع مقدمہ و حواشی) لندن سے شائع ہوا (۱۹۶۶ء)۔ علاوہ ازیں اے کیو نیاز (A. Q. Niaz) نے اس کا منظوم ترجمہ کیا جو *Iqbal's JAVID NAMA : Versified English Translation*، کے عنوان سے اقبال اکادمی پاکستان، لاہور سے ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا۔

۱۲- سید نذیر نیازی، **مکتوباتِ اقبال**، ص ۸۱-۸۲

تحدی کا تعلق دیں و عقیدے اور فکر و فلسفے کی اقلیم سے تھا جس کے مؤثر توڑ کے لیے اقبال مغربی زبانوں میں جدید علمی اسلوب میں اسلامی نقطۂ نظر کی ترجمان تحقیقی و ادبی تخلیقات کی اشاعت کو ضروری خیال کرتے تھے۔[۱۳] چنانچہ انھوں نے زیر نظر خط میں معاندِ اسلام مسیحی ادبی سرمائے کے فاسد اثرات کے ازالے کی غرض سے **جاوید نامہ** کے مغربی زبانوں میں تراجم کی اشاعت سے متعلق اپنی رغبت اور دلچسپی ظاہر کی ہے۔ ان تمہیدی کلمات کے بعد ذیل میں اقبال کا خط درج کیا جاتا ہے۔

مکتوبِ اقبال

لاہور، ۵ر مئی ۱۹۳۲ء

ڈیئر ہاشمی صاحب السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔

افسوس ہے کہ کانفرنس[۱۴] کا فنڈ بہت تھوڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے پولیٹیکل کام ٹھیک طور

۱۳- مغربی استشراق کے بارے میں اقبال کے آراء و خیالات کے بارے میں تفصیلی تجزیہ کے لیے دیکھیے: صدیق جاوید، **اقبال: نئی تفہیم**، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء؛ وہی مصنف، **اقبال پر تحقیقی مقالے** لاہور، بزم اقبال، ۱۹۸۸ء، فاضل مصنف نے اپنی ان دونوں تصانیف میں متعدد ابواب اس موضوع کے لیے مختص کیے ہیں۔

۱۴- اس سے آل انڈیا مسلم کانفرنس مراد ہے۔ جو آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے زیر اہتمام ۱۹۲۸ء میں قائم ہوئی تھی۔ اس زمانے میں مسلم لیگ عالم انتشار میں تھی۔ خلافت کمیٹی نہ ہونے کے برابر تھی۔ دیگر مسلم سیاسی جماعتیں گو کثیر التعداد تھیں، لیکن انفرادی طور پر غیر مؤثر تھیں۔ مسلم کانفرنس کی ایک باقاعدہ مجلس عاملہ تھی، اور اس کی شاخیں بھی مختلف صوبوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ آل انڈیا مسلم کانفرنس میں ہندوستان کی مجالس قانون ساز کے مسلمان نمائندے، مرکزی اسمبلی، کونسل آف اسٹیٹ کے مسلمان ارکان، ڈسٹرکٹ بورڈز کے مسلمان ارکان اور خلافت، جمعیت العلماء، شفیع مسلم لیگ اور مسلم لیگ کے نمائندے شریک ہوئے تھے۔ علامہ محمد اقبال اس کے بانیوں میں سے تھے۔ وہ اس کے بورڈ اور مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ آل انڈیا مسلم کانفرنس جس نے اپنے قیام کے ساتھ ہی مسلم لیگ سے بھی زیادہ طاقت ور اور مؤثر سیاسی جماعت کی حیثیت اختیار کر لی تھی، ۱۹۳۴ء تک ملک کی سیاست اور خصوصاً مسلم سیاست میں بڑا قابل قدر کردار ادا کیا۔ اس کے سالانہ اجلاس تقریباً ہر سال ہوتے رہے، مؤثر قرار دادیں منظور ہوتی رہیں۔ گول میز کانفرنس کے مواقع پر اسی ادارے نے مسلم مندوبینِ کانفرنس کو ہدایات اور مشورے دیے اور مسلم رائے عامہ کی مؤثر نمائندگی کی۔ اقبال آغاز ہی سے اس کی مجلس عاملہ کے رکن تھے اور اس کے اجلاسوں منعقدہ دہلی، شملہ اور لاہور میں سرگرمی سے شریک ہوتے رہے۔ علامہ نے مسلم کانفرنس کی کارروائیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس کے اہم اجلاسوں کی صدارت کی۔ ان اجلاسوں میں کشمیر اور ریاست الور (جاری)

پر نہیں ہوتے۔[۱۵] ہندوؤں کے تمام بڑے بڑے آدمی فکرِ معاش سے آزاد ہیں یا یوں کہیے کہ فکر

(گذشتہ سے پیوستہ) کے مجبور و محکوم مسلمانوں کے حق میں قراردادیں منظور کی گئیں۔ علامہ نے کشمیر، الور اور ملک کے دوسرے حصوں میں مسلم کش فسادات کا شکار ہونے والے مسلمانوں کی مدد کے لیے مسلمانوں کے اہل ثروت کو ایثار و قربانی کی تحریک کی۔ آل انڈیا مسلم کانفرنس کے قیام، خصوصاً اس سے علامہ اقبال کی وابستگی اور اسلامیانِ ہند کے حقوق کے تحفظ کے لیے ان کی جدوجہد کے بارے میں دیکھیے: جاوید اقبال، **زندہ رود**، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص ۵۳۱-۵۳۲ نیز متعدد مقامات؛ محمد احمد خان، **اقبال کا سیاسی کارنامہ**، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء، خصوصاً باب ۴ "خار زار سیاست میں آبلہ پائی" ص ۹۷-۲۲۵، و باب ۵ "وادیِ سیاست میں آبلہ پائی"، ص ۲۲۶-۴۳۸؛ محمد حمزہ فاروقی، **اقبال کا سیاسی سفر**، لاہور: بزم اقبال، ۱۹۹۲ء، ص ۳۹۹-۴۵۰؛ وہی مصنف، **مہر اور ان کا عہد: مولانا غلام رسول مہر کی سیاسی اور صحافتی خدمات**، کراچی، پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی، ۲۰۰۸ء، ص ۱۱۴-۱۱۵۔ آل انڈیا مسلم کانفرنس کی تاسیس، اہداف و مقاصد، اور میدان سیاست میں کردار کے بارے میں ملاحظہ ہو:

Ishtiaq Husain Qureshi, *The Muslim Community of the Indo-Pakistan Subcontinent* (Karachi: Bureau of Composition, Compilation and Translation, University of Karachi, 1999), 329-331, 340-341; K. K. Aziz, *The All India Muslim Conference*, 1928-1935: *A Documentary Record* (Karachi: National Publishing House, 1972); S. M. Burke and Salim al-Din Quraishi, *The British Raj in India: An Historical Review* (Karachi: Oxford University Press, 1996), 286, 312; M. Rafique Afzal, *A History of the All-India Muslim League* 1906-1947 (Karachi: Oxford University Press, 2013), 77, 81-80,136,159,181-180, 190-192 and passim.

۱۵- ان دنوں (۱۹۲۸ء-۱۹۳۲ء) کشمیری مسلمان طویل عرصے سے ریاستی حکام کے ظلم و جور کا ہدف بنے ہوئے تھے۔ ۱۹۳۱ء سے تحریک آزادیِ کشمیر بھی اپنے زوروں پر تھی۔ اسی طرح ریاست الور میں مسلمانوں پر تشدد کا دور دورہ تھا جہاں مذہبی شعائر کی علانیہ بجا آوری پر قدغن عائد تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ ۱۹۳۱ء سے ہندوستان کے متعدد مقامات پر ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے۔ بنارس، آگرہ، مرزاپور اور کان پور کے مسلمان فسادات سے بری طرح متاثر ہوئے۔ سب سے بڑا فساد کان پور میں ہوا جہاں مسلمانوں کو گھر گھر قتل کیا گیا۔ ان کے گھروں کو نذرِ آتش کیا گیا۔ اور بعض مساجد بھی مسمار کر دی گئیں۔ کان پور کے مسلم کش فسادات نے علامہ اقبال پر گہرا اثر چھوڑا۔ مظلومین کان پور کی مالی امداد کے لیے علامہ اقبال نے دیگر مسلم قائدین کے ہمراہ ۱۴ جولائی ۱۹۳۱ء کو اخبارات میں پنجاب، سرحد اور سندھ کے مسلمانوں سے کان پور مسلم ریلیف فنڈ میں چندہ دینے کی پر زور اپیل کی (دیکھیے: جاوید اقبال، **زندہ رود**، ص ۴۹۷-۴۹۸)؛ لامحالہ طور پر مسلم کانفرنس کو اپنی سرگرمیوں کے لیے خطیر مالی وسائل درکار تھے، لیکن مسلمان اہل ثروت ملی تقاضوں سے چشم پوشی اختیار کیے ہوئے تھے۔ نتیجتاً مسلم کانفرنس کو اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھنے میں شدید مشکلات کا سامنا تھا۔ علامہ کے اس خط میں مسلمان اہل ثروت کے طرز عمل کی طرف اشارہ اسی تناظر میں ہے۔

معاش سے ہندوؤں نے ان کو آزاد کر دیا ہے۔[۱۶] شمالی ہند میں مسلمان، مسلمان دولت مند اور حکم ران طبقے سے بہت ناخوش نظر آتے ہیں اور یہ ناخوشی روز بروز ترقی کر رہی ہے۔ حیدرآباد کی حالت بے شک مخدوش ہے بلکہ مجھ کو تو اس کا احساس اس وقت ہوا جب میں پہلے پہل حیدرآباد گیا۔ سر افسر الملک سے میں نے اس کا ذکر کیا تھا۔[۱۷] یہ واقعہ تقریباً پندرہ سولہ سال کا ہے۔[۱۸] بعد میں وہاں کے حکام سے کئی دفعہ اس امر کا ذکر ہوا کہ شمالی ہند

۱۶- فکرِ معاش سے آزادی سے متعلق اقبال کا یہ بیان کئی معانی کا حامل ہے۔ اس میں فکرِ معاش سے آزادی سے متعلق خود ان کی اپنی خواہش کی عدمِ تکمیل کی کسک بھی موجود ہے۔ فکرِ معاش سے آزادی، اقبال کو بڑی مرغوب تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ گوئٹے کی طرح انہیں بھی اہلِ اختیار واقتدار کی طرف سے سرپرستی حاصل ہو جائے اور وہ فکرِ معاش سے آزاد ہو کر اپنے فکر و فن کے لیے وقف ہو جائیں اور جمعیتِ خاطر سے اپنے پیغام کی اشاعت میں لگ جائیں۔ ان کو سرپرستی حاصل ہو جائے تاکہ وہ پیشۂ وکالت کے بوجھ سے آزاد رہ کر اپنی فکری و ادبی اور تصنیفی و تالیفی سرگرمیوں میں مشغول رہ سکیں۔ اس سلسلے میں اقبال کی نظر دولت آصفیہ حیدر آباد دکن پر پڑی تھی اور میر مجلسی عدالتِ عالیہ (حیدر آباد ہائی کورٹ کی ججی) کے امیدوار تھے لیکن والی ریاست کی طرف سے سرد مہری کا معاملہ روا رکھا گیا اور اقبال کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ البتہ علامہ کو قانون کی پروفیسری کی پیشکش کی گئی تھی جسے انھوں نے قبول نہیں کیا۔ اس امر کا اظہار مہاراجہ سر کشن پرشاد کے نام علامہ اقبال کے خطوط میں بہ تفصیل ہوا ہے۔ دیکھیے: شیخ عطاء اللہ، **اقبال نامہ: مجموعۂ مکاتیب اقبال**، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۵ء، ص۴۹۸-۴۹۹، ۵۰۰-۵۰۳؛ مزید دیکھیے: جاوید اقبال، **زندہ رود**، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص۱۷۴-۱۷۸، ۲۵۴-۲۵۷، ۲۶۵-۲۶۸

۱۷- اس سے مراد کرنل نواب سر افسر الملک بہادر (نام: مرزا محمد علی بیگ) ہیں جو اس زمانے میں دولت آصفیہ حیدر آباد دکن کی باقاعدہ افواج کے سپہ سالارِ اعلیٰ (چیف کمانڈر) تھے۔ ان کے والد مرزا ولایت علی بیگ رسائی دار بہادر (م ۱۲۸۳ھ)، کنٹنجنٹ کے رسالہ سوم سے منسلک اور اورنگ آباد میں تعینات تھے۔ نواب افسر الملک کی ولادت اورنگ آباد میں ہوئی۔ کرنل فٹز جیر الڈ کی نگرانی میں تعلیم و تربیت ہوئی اور ۱۲۸۶ھ - ۱۸۶۸ء میں سرکارِ عالی کی ملازمت میں داخل ہوئے اور اپنے والد کے رسالہ میں داخل ہوئے۔ ۱۸۷۰ء میں ترقی پائی اور اپنی رجمنٹ کے پہلے ترپ کے کمان دار مقرر ہو کر اورنگ آباد میں متعین ہوئے۔ ۱۸۷۹ء میں اپنے رسالہ کی کمان پر مقرر ہوئے۔۔ اس زمانے میں ان کے رسالہ کو جنگِ افغانستان میں شریک ہونے کا حکم ملا تو ان کی فوج سے جیکب آباد ریلوے کی حفاظت اور حکومتِ برطانیہ کے خلاف بر سرِ پیکار عناصر کی سرکوبی کا کام لیا گیا۔ ۲/ محرم ۱۲۹۷ھ حیدر آباد دکن واپس پہنچے۔ ۱۲۹۹ھ میں حضرت نظام کے مصاحب مقرر ہوئے۔ اسی سال خانی و بہادری کے خطاب اور دوسرے اعزاز کے ساتھ سرفراز ہوئے۔ اور تھوڑے عرصے کے بعد تمام فوج باقاعدہ کے کمانڈر مقرر ہوئے۔ محرم ۱۳۰۳ھ میں نواب افسر الملک بہادر نے اپنی فوج سے نواب سلطان نواز جنگ جمع دار (جاری)

کے مسلمانوں کی قوت پر اسلام کا مستقبل انحصار رکھتا ہے مگر کسی نے اس طرف توجہ نہ کی اللہ حافظ ہے۔[۱۹] کئی باتیں ہیں جن کو خط میں لکھنا خلاف مصلحت ہے ورنہ مفصل عرض کرتا۔

(گذشتہ سے پیوستہ) عروب کے سپاہیوں کو مغلوب کیا۔ اسی سال امیر عبدالرحمٰن خان کی سیاحتِ ہند کے موقع پر دوسرے عمائدین حیدر آباد کے ساتھ دربارِ راولپنڈی میں شرکت کی۔ مئی ۱۸۹۰ء میں میجری کا کمیشن ملکہ معظمہ وکٹوریہ سے عطا ہوا۔ ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء میں نواب افسر الملک کو افسر الدولہ کا خطاب ملا۔ ۱۸۹۷ء میں سرکاری مہمان کی حیثیت سے ملکہ معظمہ وکٹوریہ کے جشن جوبلی میں لنڈن میں شرکت کی جہاں سی آئی ای کے خطاب سے نوازا گیا۔ ۱۹۰۰ء جنگ چین میں شرکت کے لیے روانہ ہوئے اور اوائل ۱۹۰۱ء واپس ہوئے۔ واپسی پر حضرت نظام سے افسر الملک کا خطاب عطا ہوا۔ جنگِ عظیم میں مصر اور فرانس جا کر اپنی فوج کے ساتھ شرکت کی۔ میدانِ جنگ سے واپس ہوئے تو ۱۹۱۷ء میں چیف کمانڈر کا منصب جلیل ان کو سرکارِ عالی کی طرف سے مرحمت ہوا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: نواب سر افسر الملک بہادر، **سوانح افسری**، حیدرآباد دکن، نظام المطابع، ۱۳۱۹ھ - ۱۹۰۱ء، ج ۱؛ سید منظر علی اشہر، **منظر الکرام: حیدرآباد کے مشاہیر کا تذکرہ**، حیدرآباد دکن، عماد پریس، ۱۳۴۵ء، ص ۸۱-۸۶، مزید دیکھیے:

J.E. D. Gribble, *A History of the Deccan*, 2 vols. (New Delhi: Mittal Publications, 1990), vol. ii, Appendix no. I, 270-273

۱۸- علامہ کو اپنے سفر حیدرآباد کے بارے میں تسامح ہوا ہے۔ انھوں نے اپنا پہلا سفر حیدرآباد انگلستان سے واپسی کے کچھ عرصے بعد ۱۹۱۰ء میں کیا۔ حیدرآباد کے اپنے پہلے سفر اور وہاں مقتدر لوگوں سے ملاقاتوں کا تذکرہ انھوں نے عطیہ فیضی کے نام اپنے خطوط میں بھی کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: شیخ عطاء اللہ، **اقبال نامہ: مجموعہ مکاتیب اقبال**، ص ۴۳۷-۴۳۸، ۴۴۱؛ جاوید اقبال، **زندہ رود**، ص ۱۷۴-۱۷۸)۔ علامہ نے حیدر آباد کا دوسرا سفر جنوری ۱۹۲۹ء کے تیسرے ہفتے کے دوران میں مدراس کے سفر بہ سلسلۂ خطبات سے واپسی پر کیا۔ اس سفر میں حیدر آباد میں ان کا قیام پانچ روز رہا اور وہاں نواب اعظم جاہ ولی عہد سلطنت اور ریاست کے دوسرے حکام سے ملاقات ہوئی (تفصیل کے لیے دیکھیے: جاوید اقبال، **زندہ رود**، ص ۴۱۹-۴۳۲؛ مزید دیکھیے: نظر حیدر آبادی، **اقبال اور حیدر آباد دکن**، کراچی، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۶۱ء؛ سید شکیل احمد، **اقبال اور حیدر آباد**، حیدر آباد، انڈیا، الکتاب پبلشرز، ۱۹۸۶ء

۱۹- حیدر آباد کی جن مقتدر شخصیات سے علامہ کے روابط رہے ان میں مہاراجہ سر کشن پرشاد (۱۸۶۴ء-۱۹۴۰ء) اور سر اکبر حیدری (۱۸۶۹ء-۱۹۴۱ء) سرِفہرست تھے۔ اول الذکر دو بار دولتِ آصفیہ حیدر آباد کے صدر المہام/ مدار المہام (۱۹۰۱ء-۱۹۱۲ء اور ۱۹۲۶ء-۱۹۳۷ء) رہے، موٴخر الذکر پہلے فنانس سیکرٹری اور بعد ازاں صدر اعظم (مارچ ۱۹۳۷ء- ستمبر ۱۹۴۱ء) رہے۔ اول الذکر یعنی (مہاراجہ سر کشن پرشاد) سے علامہ کے بڑے گہرے روابط رہے، جن سے وہ معاملات اور ملکی و قومی مسائل پر تبادلۂ خیال کرتے تھے۔ سر کشن پرشاد سے علامہ کی قربت و مودت کا بہترین اظہار ان کے نام علامہ کے (جاری)

چودھری محمد حسین صاحب نے جاوید نامہ پر ایک مفصل مضمون لکھا ہے۔[۲۰] میں ان سے کہوں گا کہ اس کے چھپنے پر ایک کاپی آپ کی خدمت میں بھی بھیجیں۔ پروفیسر نکلسن[۲۱] اور سر ڈینی سن راس[۲۲] نے بڑے

(گذشتہ سے پیوستہ) خطوط سے ہوتا ہے۔ دیکھیے: شیخ عطاء اللہ، **اقبال نامہ**، ص ۴۶۲۔۵۲۱؛ محمد عبداللہ قریشی، **اقبال بنام شاد**، لاہور، بزم اقبال، ۱۹۸۶ء؛ محمد سفیان صافی، "اقبال بنام شاد"، **بازیافت**، لاہور، شمارہ ۲۳ (جولائی تا دسمبر ۲۰۱۳ء)، ص ۱۵۳-۱۶۸

۲۰- **جاوید نامہ** پر محمد حسین چودھری کا مضمون سب سے پہلے **نیرنگِ خیال** (اقبال نمبر، ۱۹۴۲ء) میں شائع ہوا، بعد ازاں مجلہ **صادق** (لاہور) کے شمارے بابت ۲۰/اپریل ۱۹۵۶ء میں اس کا ابتدائی حصہ طبع ہوا۔ متن مقالہ کے لیے دیکھیے: محمد حنیف شاہد، **چودھری محمد حسین کی نظر میں**، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۵ء، ص ۲۰۳-۲۱۴

۲۱- انگریز مستشرق رینالڈ اے نکلسن (۱۸۶۸ء-۱۹۴۵ء): تاریخ ادبیاتِ عربی اور تصوف کے جید عالم، عربی ادبیات اور تصوف پر ان سے دو کتابیں *A Literary History of the Arabs* 1907 اور The *Mystics of Islam 1914* یادگار ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے تصوف پر متعدد عربی، فارسی اور ترکی رسائل کا انگریزی میں ترجمہ کیا، جن میں ابن عربی کی ترجمان الأشواق اور سید علی ہجویری کی **کشف المحجوب** بھی شامل ہے۔ ان کا علمی شاہ کار **مثنوی معنوی مولوی** کا انگریزی ترجمہ اور شرح ہے جو متعدد جلدوں میں ۱۹۲۵ء۔۱۹۴۰ء کے دوران میں شائع ہوا۔ ممتاز سندھی صوفی شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی کے کلام کے بعض اجزا کو بھی انھوں نے انگریزی میں منتقل کیا۔ نکلسن نے اقبال کے فارسی مجموعۂ کلام **اسرارِ خودی** کا بھی انگریزی میں ترجمہ کیا جو *The Secrets of the Self* کے نام سے شائع ہوا۔ مزید برآں انھوں نے متعدد عربی شعرا اور ادبا کے کلام (نظم و نثر) کا ایک انتخاب بھی انگریزی میں ترجمہ کیا جو بہ عنوان *Translations of Eastern Poetry and Prose* (مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۲۲ء) بھی شائع کیا ہے۔ احوال و آثار کے بارے میں معلومات کے لیے دیکھیے:

H. A. R. Gibb, "Nicholson, Reynold Alleyne", *Oxford Dictionary of National Biography* (Oxford: Oxford University Press, 2004)

۲۲- سر ڈینی سن راس (۱۸۷۱ء-۱۹۴۰ء)، ممتاز برطانوی مستشرق اور ماہرِ لسانیات، فارسی، سنسکرت اور بنگالی کے علاوہ شرقِ بعید کی دو درجن سے زائد زبانوں پر دست رس رکھتے تھے۔ ۱۹۰۱ء میں کلکتہ مدرسے کے پرنسپل مقرر ہو کر ہندوستان آئے اور دس سال سے زائد اس منصب پر فائز رہے۔ وہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے سربرآوردہ رکن تھے۔ ۱۹۱۱ء میں امپیریل ریکارڈ آفس کے مہتمم مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۴ء میں لندن واپسی پر برٹش میوزیم میں ان کا تقرر ہوا۔ لندن یونی ورسٹی میں ۱۹۱۶ء میں سکول آف اورینٹل سٹڈیز کا قیام عمل میں آیا تو اس کے ناظم مقرر کیے گئے اور ۱۹۳۷ء تک اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔ لسانیاتی مہارت کے سبب، جنگِ عظیم اول کے دوران میں ڈاک کی سنسر شپ اور فوجی جاسوسی کے محکمے میں خدمات انجام دیں۔ احوال و آثار کے بارے میں تفصیلی معلومات کے لیے دیکھیے:

(جاری)

تعریفی خط لکھے ہیں۔ مقدّم الذکر اس پر ایک مضمون بھی لکھیں گے۔ ارلانگن یونیورسٹی (جرمنی) کے پروفیسر ہیل صاحب نے اس کا ترجمہ کرنے کا خیال ظاہر کیا ہے۔[۲۳] آپ کا مضمون بھی مجھے یقین ہے بہت دل چسپ اور مفید ہو گا۔ اس مبحث پر آج (تک) کسی ایسے شخص نے قلم نہیں اٹھایا جس کو فارسی ادب پر عبور ہو۔[۲۴]

(گذشتہ سے پیوستہ)

Denison Ross, Both Ends of the Candle: *The Autobiography of Sir E. Denison Ross* (London: Faber and Faber, 1943); "Obituary: Sir Edward Denison Ross", Bulletin of the School of Oriental and African Studies, vol. 10, no. 3(1940), -832 836; Imre Galambos," "Touched a Nation's Heart": Sir E. Denison Ross and Elexander Csoma de Koros", Journal of the Royal Asiatic Society of Great Britain and Ireland, Series 3, vol. 21, no. 3(2011),364-368

علامہ دوسری گول میز کانفرنس (۱۹۳۱ء) کے سلسلے میں انگلستان گئے تو قیام لندن کے دوران میں ۱۳/ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو ان کی ملاقات سر ڈینی سن راس سے بھی ہوئی۔ انھوں نے علامہ سے دنیاے اسلام میں مذہبی تحریکوں بالخصوص بہائیت کے متعلق گفتگو کی۔ دیکھیے: جاوید اقبال، **زندہ رود**، ص ۵۱۴

۲۳- ارلانگن یونیورسٹی (جرمنی) کے پروفیسر جوزف ہیل (Joseph Hell) نے محمد بن سلام الجمحی کی **طبقات الشعراء الجاهليين والإسلاميين** کی تدوین و اشاعت (لائیڈن ۱۹۱۶ء) کے علاوہ عرب تہذیب و تمدن پر جرمن میں ایک کتاب بہ عنوان *Die Kultur der Araber* بھی تصنیف کی تھی (مطبوعہ لائپزگ، ۱۹۰۹ء)۔ مؤخر الذکر کا انگریزی میں ترجمہ ایس خدا بخش نے کیا جو *The Arab Civilization* کے عنوان سے شائع ہوا (اشاعت اول، لندن؛ مکرر اشاعت، لاہور: شیخ محمد اشرف، ۱۹۴۳ء) جس کو سید نذیر نیازی نے اردو میں **عربوں کا تمدن** کے نام سے منتقل کیا، جس کی اشاعت جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی طرف سے ۱۹۲۷ء میں ہوئی۔ ہیل اقبال کے انگریزی خطبات (**تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ**) کے بھی مداح تھے۔ انھوں نے اقبال کے نام ایک خط میں اس کتاب کو عصر حاضر میں مسلم اہلِ دانش کے اہم ترین علمی و فکری مظاہر میں سے ایک مظہر قرار دیا (دیکھیے: سید نذیر نیازی، **مکتوباتِ اقبال**، ص ۴۵-۴۶)۔ پروفیسر جوزف ہیل نے **جاوید نامہ** کے جرمن ترجمے کا عندیہ دیا تھا، تاہم وہ اس کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ عربی تاریخ و ادبیات سے متعلق جوزف ہیل کا اہم کام **طبقات الشعراء** کی تدوین ہی ہے۔ تاہم اس میں نہ صرف یہ کہ بعض صریح اغلاط رہ گئی تھیں، بلکہ کچھ اجزا بھی شامل ہونے سے رہ گئے تھے، جس کی بنا پر اس کی مدونہ طباعت کو ناقص خیال کیا گیا۔ بعد ازاں متعدد مستشرقین، بالخصوص آربری نے کچھ نئے مواد کی نشان دہی کی جو اس میں شامل ہونے سے رہ گیا تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

A. A. Bevan, "Some Remarks on the Tabaqat al-Shu'ara of Muhammad ibn Sallam al-Jumahi", Journal of the Royal Asiatic Society of Great Britain and Ireland, vol. 58, no. 2(April 1926), 269-273; A. J. Arberry, "New Materials on the "Tabaqat al-Shu'ara" of al-Jumahi", Bulletin of the School of Oriental and African Studies, vol. 13, no. 1, (1949), 7-22

۲۴- سید ہاشمی کے اس مضمون کے عنوان اور اس کے مندرجات و مباحث کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

علامہ کے مکتوب کا عکس

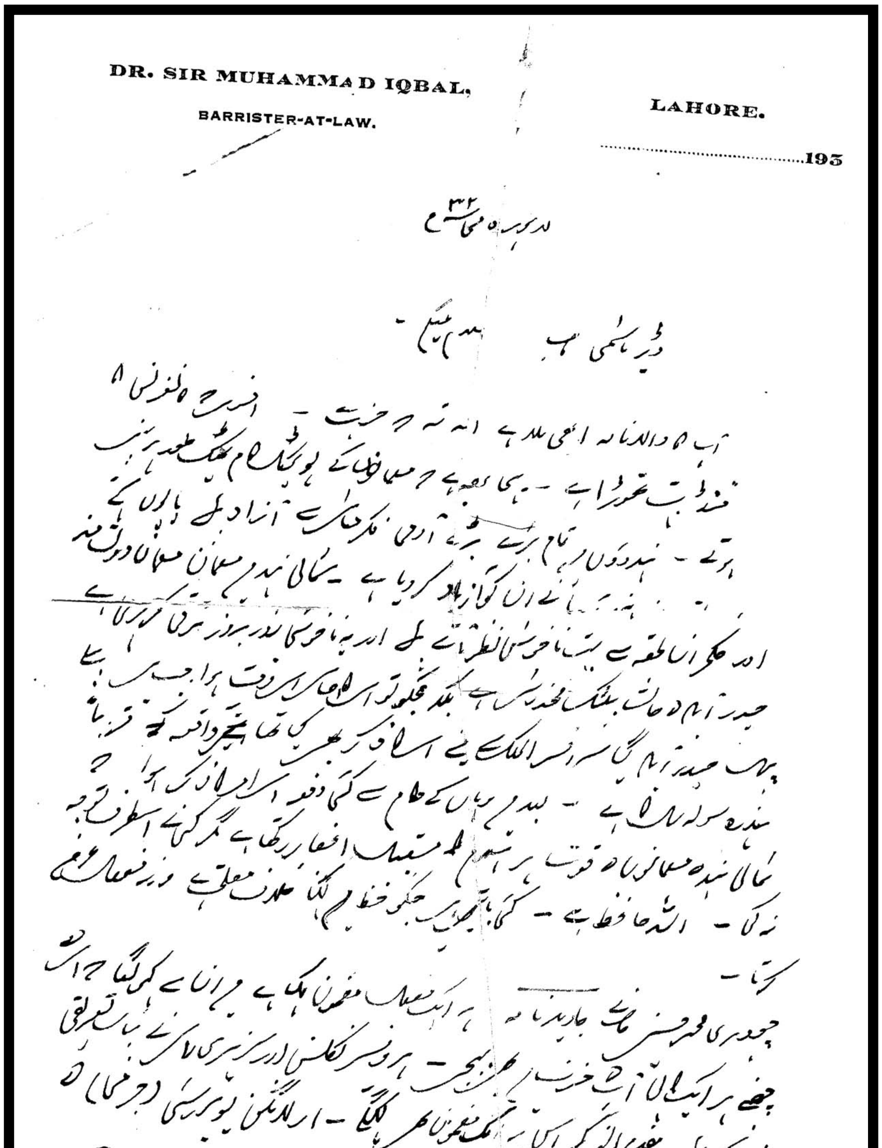
DR. SIR MUHAMMAD IQBAL,
BARRISTER-AT-LAW.
LAHORE.
....193

پروفیسر ہاشمی نے اس کا ترجمہ کرنے کا خیال ظاہر کیا ہے ۔ آپ کا مضمون جو
مجھے لفظ بہ لفظ دلچسپ اور مفید ہوگا ۔ اس مجلہ میں آج کل ایسے
مضامین شائع [illegible] جن کا تعلق [illegible] ادب پر [illegible] ہو ۔
امید ہے آپ کا ارادہ مستحکم ہوگا ۔

مخلص محمد اقبال

To introduce Sh. Hashmi – a capable Oriental Scholar – proceeding to England to edit a poem of Amir Khusro

Dr. Sir Muhammad Iqbal
Barrister-at-Law
Lahore. 7th: Ap. 1930